تصوف - تاریخ، توحید اور سلوک

شاہ محمد حسین الٰہ آبادیؒ[1]

صوفیاء کے مختلف دور ہوئے۔ پہلا وہ دور تھا جو ابتدائے عہد اسلام سے ایک صدی تک رہا اس دور میں تصوف نے کوئی خاص نام اختیار نہیں کیا بلکہ ایک جماعت عباد و زہاد کی اصحاب صفہ کی طرح علیحدہ ہوگئی جس نے عبادات مجاہدے اور ہمہ تن خدا کی جانب متوجہ رہنا اپنا شیوہ اختیار کر لیا۔

---

[1] شاہ محمد حسین الٰہ آبادی متوفی ۱۳۲۲ھ آپ سلسلہ صابریہ چشتیہ کے بزرگ شیخ محب اللہ الٰہ آبادیؒ کی اولاد میں سے تھے۔ شیخ موصوف کو شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ کی تصانیف پر بڑا عبور تھا۔ اور آپ نے فصوص الحکم کی کئی شرحیں لکھی تھیں۔ شاہ جہاں اور دارا شکوہ ان کا بڑا احترام کرتا تھا۔ دارا شکوہ نے اپنے زمانہ قیام الٰہ آباد میں ان سے استفادہ بھی کیا تھا۔ البتہ اورنگ زیب عالمگیر کی ان کے متعلق اچھی رائے نہ تھی۔ اور اس نے ان کے رسالہ تسویہ کو جلا دینے کا حکم دیا تھا۔ شیخ محب اللہ الٰہ آبادی اپنے ایک خط میں دارا شکوہ کو لکھتے ہیں۔

"فقیر کیا و نصیحت کیا۔ حق آنست کہ اندیشہ رفاہیت خلق خدا دامن گیر خاطر حکام باشد۔ چہ مومن و چہ کافر کہ خلق خدا پیدائش خدا است"

شاہ محمد حسینؒ الٰہ آبادی حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی سے بیعت تھے۔ آپ نے دار العلوم ندوہ کی تحریک میں بھی بڑا سرگرم حصہ لیا، اور اس تحریک کے آپ اولیں داعیوں میں سے تھے۔ ۱۳۲۲ھ میں اجمیر شریف میں سماع سنتے آپ کا انتقال ہوا۔

(مدیر)

اسکا تصوف بالکل عمل تھا جو علمی بحثوں سے بالکل پاک تھا اس زمانہ تک نہ اس فن کا نام تصوف ہوا تھا نہ ان کے اختیار کرنے والوں کو صوفیا کہتے تھے۔ یہ حضرات ریاضاتِ نفس اور مجاہدات کے خوگر اور زہد، علم، صدق اور دیگر محاسن اخلاق سے اپنے کو متصف کرنا مقصد تصوف قرار دیتے تھے۔ چنانچہ حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں کہ تمام برے اخلاق کا ترک کرنا اور اچھے اخلاق کا اختیار کرنا تصوف ہے۔

حضرت ثوریؒ سے صوفیا کے اخلاق کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ دوسروں کے لئے اسباب راحت مہیا کرنا اور ان کی ایذا دہی سے گریز کرنا۔ حضرت حسن بصریؒ، فضیل بن عیاض، عبدالواحد بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہم اسی دور کے حضرات ہیں۔

اس دور کے بعد دوسری صدی میں اس فرقہ نے صوفیا کا لقب اختیار کیا۔ سب سے پہلے ابو ہاشم کو صوفی کا لقب ملا جن کو حضرت سفیان ثوری نے یہ خطاب دیا اور ارشاد فرمایا کہ اگر ابو ہاشم صوفی نہ پیدا ہوتے تو ریا کے دقائق میرے سمجھ میں نہ آتے۔ اس دور میں تصوف نے علمی اور عملی دونوں حیثیتوں سے کافی ترقی کی۔ یہی وہ زمانہ تھا جس میں مجاہدہ کے خاص خاص طریقے پیدا ہوئے جس کی وجہ بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس زمانہ میں مسلمانوں میں جاہ طلبی اور تعیش بہت زیادہ پیدا ہوگیا اور قرون اولیٰ کے مخصوص صفات حسنہ مثلاً موٹے کپڑے پہننا، فقر و فاقہ کرنا ایثار و قربانیاں صرف خدا کے لئے کرنا، یہ ایک حد تک مفقود ہوگیا تھا۔ جہاد میں وہ ولولہ جو صرف اعلاء کلمۃ اللہ کی غرض سے قلوب میں موجزن تھا، اب مال غنیمت کی محبت اور ملک گیری کی تمنا کی صورت میں نمایاں ہوگیا تھا۔ خدا اور رسول سے زیادہ مال و دولت کی محبت مسلمانوں کے دل میں پیدا ہوگئی تھی جس کا نتیجہ سیاسی اور اخلاقی انحطاط کی صورت میں ظاہر ہو رہا تھا۔ لوگ عام طور پر صرف ظاہری احکام کے پابند ہوگئے تھے اور ان میں کثرت سے حیلہ اور بہانہ صرف حکومت کے قانون سے عہدہ برآ ہونے کے لئے ایجاد کرتے تھے۔

حضرت عمرؓ کا حضرت معاویہؓ کو صرف اچھے عبا پر تنبیہ کرنا یہ اس بات کی بدیہی شہادت ہے کہ اسی زمانہ سے تن آسانی اور تعیش تیزی سے بڑھ رہا تھا، جس نے بعد کو خلفاء، امراء اور اغنیاء کے درباروں کی صورت اختیار کرلی۔ جہاں ارباب علم فضلا اور بلغاء کو کثرت سے انعامات دیئے جاتے تھے علماء کے گھر زیب و زینت، راحت اور تن آسانی کے اسباب سے مزین رہتے تھے۔ یہ حضرات ہزاروں دینار و دراہم کے مالک ہوتے۔

ان تمام باتوں نے پوری ملت مسلمہ کو راحت طلب بنا دیا اور صحابہ کی سی جفاکشی ختم ہوگئی

اس وقت اس کی سخت ضرورت پیش آئی کہ انہیں سادہ زندگی فقر و فاقہ اور مسکنت کی جانب مائل کیا جائے۔ جس کے لئے صوفیہ نے اپنے فن کو زیادہ ترتیب کے ساتھ مدون کیا اور اس فن کے دو حصے کر دیئے، علمی اور عملی۔

عملی میں فقر، روزے رکھنا، کثرت سے نوافل پڑھنا، انسانی کمزوریوں کو رفع کرنے کے لئے نفس کو طرح طرح کی شغلوں میں مبتلا کرنا وغیرہ وغیرہ، اس قسم کی تعلیم کے اس زمانہ میں سخت ضرورت تھی اور بلا اس طرح کی تعلیم کے اعتدال نہیں پیدا ہو سکتا تھا۔

ان کے علاوہ جو سیاسی حالات اس زمانہ میں ہو گئے تھے، ان کا مقتضا یہ تھا کہ مسلمانوں کے تعمیری کام کرنے کے لئے ایک جماعت اپنے کو حکومت کے اعزازوں سے علیحدہ کر کے صرف مسلمانوں

- -

۔۔۔۔۔ کی اخلاقی تربیت میں مشغول ہو جائے۔ اور وہ جماعت صوفیہ کے علاوہ کوئی نہ تھی۔ اگرچہ صوفیہ میں بھی کثرت سے ایسے لوگ شامل ہو گئے تھے جنہوں نے "دلق و سجادہ" کو اپنے مکر و فریب چھپانے کا ذریعہ بنا رکھا تھا۔ حالانکہ ان کو صوفیہ سے تعلق نہ تھا بلکہ ان میں سے اکثر ان فرقوں سے تعلق رکھتے تھے جو مسلمانوں کے دینی انتشار کی وجہ سے ممالک اسلامیہ میں پھیل گئے تھے۔ انہیں فرقوں نے صوفیہ میں انتشار پیدا کر کے اور ان کے اصول کو خبط کر کے ایک کثیر جماعت ان کے مخالفین کی عالم اسلامی میں بنا دی مگر پھر بھی اکثریت انہیں اچھی نگاہ سے دیکھتی رہی۔ چنانچہ انہیں صوفیہ کی جماعت کے لئے مختلف خانقاہیں ارباب ثروت نے بنائیں اور ان پر بڑے بڑے اوقاف کئے عوام بھی ان سے ہدایت و ارشاد کے سبق برابر حاصل کرتے تھے۔

علمی دور اس دور میں ارباب تصوف نے تصانیف کا سلسلہ شروع کیا۔ ابو طالب مکیؒ۔ ابو نعیم اصفہانی۔ ابو القاسم قشیری۔ امام غزالی وغیرہ نے اخلاقیات کے اس حصہ کو جو قرآن و حدیث میں مذکور تھا، مگر دوسرے نصوص کے ساتھ ملا ہوا تھا، علیحدہ کر کے ہدایت و ارشاد کو مختلف فن کی صورت عطا کر دی۔ یہ ضرور ہے کہ ان حضرات نے جو اصطلاحات ایجاد کئے، ان پر بدعت ہونے کے الزامات لگائے گئے جو ان حضرات کے لئے ناگزیر تھے جن میں خاص مذہبی غلو پایا جاتا تھا۔ لیکن یہ چیز بھی نظر انداز نہیں کی جا سکتی تھی کہ حضرات صوفیاء کی تصانیف میں بعض ضعیف احادیث بھی صرف تحریض علی العمل کی غرض سے ذکر کر دی گئیں اگرچہ ضعیف احادیث سے محدثین کی بھی کم کتابیں خالی ہیں۔ بہر حال قرون اولیٰ ہی سے اس جماعت نے مستقل حیثیت اختیار کرنی شروع

اور آخر میں اس نے اپنی علمی اور عملی کارناموں کے اعتبار سے جو امتیازی شخصیت حاصل کی وہ اسلام کی دوسری جماعتوں میں نہیں ملتی لیکن دوسرے فرقِ اسلامی کی طرح اس جماعت میں بھی کثرت سے ایسے لوگ پیدا ہوگئے جنہوں نے مقصدِ تصوف کو صرف مکر و فریب کا ذریعہ بنالیا اور اپنے کو "قانون شریعت" سے آزاد کرنا چاہا۔ جسے دیکھ کر ہر صوفی کامل نے علماً اور عملاً اتباع شریعت اور ترکِ بدعت کی تلقین کی چنانچہ ہر مصنف کی کتاب میں اور ہر بزرگ کے ملفوظات میں مذکورہ بالا نظریہ کے کافی نظائر ملیں گے۔

حضرت غوث الثقلین شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ غنیۃ الطالبین میں ارشاد فرماتے ہیں کہ مومن کا ظاہر لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے اور باطن اللہ عز و جل کے ساتھ اور ان کے اعمال کلام اللہ کے حکم اور دل اللہ کے علم سے مزین ہوتے ہیں۔

حضرت جدیؒ رسالہ التماس میں ارشاد فرماتے ہیں کہ میں اصول تصوف کے نسبت ائمہ صوفیہ کے اقوال نقل کرتا ہوں آپ ملاحظہ فرمایئں کہ اس زمانہ میں جو لوگ فقر و تصوف کی جانب منسوب کہلاتے ہیں ان میں کتنے لوگ ایسے ہیں جو ان اصول کے پابند ہیں (اقوال حسنہ یہ ہیں) سید الطائفہ حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ ہدایت کے تمام راستے صرف اس کے لئے کھلے ہیں، جو رسول اللہ کی پیروی کرے۔ دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ ہمارا علم تصوف کتاب و سنت کے ساتھ مقید ہے۔ حضرت شیخ اکبر فتوحات میں ارشاد فرماتے ہیں کہ "ہر حقیقت" جو خلاف "شریعت" ہو گمراہی ہے اور "ہر شریعت" جو "حقیقت" سے خالی ہو وہ اپنے عمل کرنے والے کے لئے ایک معطل چیز ہے اور جس میں اسے کہیں کم فائدہ ہے جتنا اس شخص کو حاصل ہوتا ہے جو دونوں چیزوں کا جامع ہو۔ پھر ارشاد فرماتے ہیں کہ ہمارے لئے خدا تک پہنچنے کا طریقہ سوا شرع کے اور کچھ نہیں۔

صوفیا کرام کے اعتقادات اور سلوک ان کی تاریخ میں اہم چیزیں ہیں۔ اعتقادات میں مسئلہ توحید رب سے اہم مسئلہ ہے جس کے متعلق صوفیاء کرام یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ کسی علمی یا عملی جماعت نے اس پر اتنا مکمل ذخیرۂ بحث دنیا کے لئے نہیں چھوڑا جتنا ان حضرات نے۔

مسئلہ توحید

یہ حقیقت نظر انداز نہیں کی جا سکتی کہ تصوف نے یونانی فلسفہ اور ایرانیوں کے خطابیات سے کافی اثر حاصل کیا۔ یہ بات اکثر علوم اسلامی میں پائی جاتی ہے۔ اور اسلام نے جس وسعت نظر کی تعلیم "الحکمۃ ضالۃ المومن" (حکمت مومن کی گمشدہ چیز ہے) کے ذریعہ سے دی تھی اس کا مقتضا بھی یہی تھا کہ مسلمان ہر چشمۂ علم سے علوم حاصل کرتے اچھی باتوں کو اختیار کر لیتے اور بری باتوں کو چھوڑ دیتے۔

یہ مسئلہ کہ خالق اور مخلوق کا تعلق کیا ہے اور وہ ایک ہے یا متعدد، مذہبی نقطہ نظر سے صانع اور مصنوع کے تعلق سے تعبیر کیا جاتا تھا اور اتنا کہہ دینا کہ وہ تمہارا پیدا کرنے والا ہے۔ یا سورۂ اخلاص کی تلاوت کر دینا تشفی بخش تھا۔ لیکن جب یونانی اور ایرانی علوم نے مسلمانوں کے دماغوں کو دلائل کا خوگر کر دیا تو فلسفیانہ نقطہائے نظر سے بحثیں شروع ہو گئیں۔ متکلمین اور فلسفی دست و گریباں ہو گئے۔ یونانی فلسفے نے اس نظریہ کی بنا پر کہ "ایک چیز سے ایک ہی چیز پیدا ہو سکتی ہے" خدا کو صرف عقلِ فعّال کا بنانے والا مان کر اسے معطل کر دیا۔

ایرانیوں نے خدا کی جانب برائیوں کے منسوب ہونے کے خطرہ سے خیر اور شر کا خدا علیحدہ علیحدہ تسلیم کیا۔ متکلمین نے خدا کو فاعل مختار اور ایک مان کر ان اعتراضات کا جواب دینا شروع کیا جو یونانی فلسفہ کے مسلّمات کو مان کر ان پر وارد ہوتے تھے۔

حضراتِ صوفیاء نے مشاہدات کے ذریعہ سے کچھ نظریئے قائم کئے جو ان کے نزدیک تو بدیہی تھے، لیکن دوسروں کے نزدیک جنھیں مشاہدہ نہیں ہوا تھا، نظری تھے۔

توحیدِ باری کا مسئلہ ان حضرات نے اس طرح سمجھا اور الفاظ کے قیود میں لا کر یوں بیان کیا کہ جب ہم موجودات پر نظر ڈالتے ہیں تو ان میں دو حیثیتیں پائی جاتی ہیں۔ ایک اشتراک دوسرے امتیاز یعنی ایک یہ کہ وہ ایک دوسرے سے مختلف صفتوں میں مشترک ہیں مثلاً انسان انسانیت میں مشترک ہے اور اپنے خاص خاص تعینات کے اعتبار سے ایک دوسرے سے ممتاز ہے۔ اسی طرح جتنے جاندار ہیں ان سب میں جاندار ہونا مشترک ہے اور انسان اور گھوڑا ہونا ان کو آپس میں ایک دوسرے سے ممتاز کرتا ہے۔ اسی طرح تمام موجودات میں جو چیز مشترک ہے، وہ وجود ہے۔ ممکن اور واجب دونوں میں وجود پایا جاتا ہے۔ اس وجود سے ہونا مراد نہیں، بلکہ وہ حقیقت مراد ہے، جس کی بنا پر ہم کسی چیز کو موجود کہتے ہیں۔ یہ حقیقت اپنی جگہ پر بلا کسی موجود کرانے والے کے موجود ہے۔ اس لئے کہ یہی ذریعۂ وجود ہے۔ لہٰذا اسے خود پہلے موجود ہونا چاہیئے اور یہی وجود تمام چیزوں کو حاوی ہے اگر یہ نہ ہو تو ہر شے معدوم ہے۔

اب جو چیزیں اس وجود کے علاوہ مخلوقات میں پائی جاتی ہیں، وہ اعتباری ہیں اس لئے کہ اگر وجود نہ ہو تو ان سب کا خاتمہ ہے۔ لہٰذا یہی وجود خدائے تعالیٰ کا عین ذات ہے۔ اور دنیا کی جتنی چیزیں ہیں، ان سب کی حقیقت یہی وجود ہے اور ہر چیز کی علیحدہ شخصیت علاوہ وجود کے صرف اعتباری ہے یہ صوفیاء کے مسلک کی بہت ہی دھندلی تصویر ہے۔ چونکہ ان کا یہ مسلک مشاہدۂ الٰہی کے بنا پر ہے

اس لئے قرآن شریف کی کثیر آیتیں انہیں اپنے اس مسلک کی شہادت میں ملی ہیں۔ جن میں سے چند یہ ہیں۔

۱۔ وھو معکم این ما کنتم۔ وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں تم ہو۔

۲۔ لا یستخفون من اللہ وھو معھم۔ وہ لوگ خدا سے پوشیدہ نہیں رہ سکتے کیونکہ وہ ان کے ساتھ ہے۔

۳۔ کان اللہ بکل شئی محیطا۔ خدا ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔

۴۔ اللہ نور السموات والارض۔ خدا زمین اور آسمان کا نور ہے۔

حضرات صوفیاء اسی وجود کو جو تمام مخلوقات کو ولادت کئے ہوئے ہے ذات باری تعالےٰ سمجھتے ہیں۔ امام ربانیؒ فرماتے ہیں کہ "حضرت وجود نفس ذات است تعالیٰ وتقدس" (مکتوب ۲۳۴)

پھر آخری آیت کی تفسیر کے ضمن میں فرماتے ہیں" زیراکہ مبین شدکہ ممکنات باسرہا عدمات اندکہ سراسر ظلمت وشرارت است وخیر وکمال وحسن وجمال درایںہا از حضرت وجود است کہ نفس ذات است تعالیٰ وتقدس وعین ہر خیر وکمال پس ناچار نور آسمانہا وزمین ہا حضرت وجود با شد۔"

شیخ اکبرؒ فرماتے ہیں کہ وجود میں ضد نہیں ہے اس لئے کہ وجود ہی ایک حقیقت ہے اور شئی خود اپنی ضد نہیں ہوتی۔ (فصوص الحکم)

پھر ارشاد فرماتے ہیں کہ خدا ہی ظاہر ہے اور ہم اپنے اصل کے اعتبار سے عدم ہیں اگرچہ ہمارے استعداد کے مطابق ہم کو وجود عطا کیا گیا ہے

حضرت شیخ محب اللہ الہ آبادیؒ فرماتے ہیں کہ فمن قال وجودہٗ عین ذاتہ بمعنیٰ انہ ذات وحدۃ اور وجود محض نجیٰ، جس شخص نے کہا کہ اس کا وجود عین ذات ہے ان معنی کرکے کہ وہی وجود محض ہے تو اس نے نجات پائی۔ (تسویہ)

حضرت شیخ اکبرؒ اپنے زمانہ میں اس خاص مسئلہ کے موجد سمجھے جاتے تھے۔ چونکہ یہ مسئلہ کشف سے تعلق رکھتا ہے اس لئے کسی عبارت میں اس کی تعبیر پیچیدگی ہیں اور اضافہ کردیتی ہے۔ لہذا جن حضرات نے اسے دلائل کا رنگ دیا، ان کی کتابوں کے سمجھنے والے اور ان سے دلچسپی رکھنے والوں کی تعداد بہت کم رہی مثلاً شیخ اکبر شیخ کبیر، امام ربانی وغیرہ لیکن جن حضرات نے اسے خطابی رنگ میں ظاہر فرمایا، وہ اذواق کو اس مسئلہ میں زیادہ متاثر کرسکے مثلاً ملا جامیؒ مولانائے رومی شمس تبریزؒ وغیرہ کیونکہ اس کا سمجھنا مشاہدات پر موقوف تھا۔

یہ مسئلہ اعتقادی حیثیت سے بہت سے شقوں میں تقسیم ہوگیا۔ جن میں سے بعض ملا جامی نے تحریر فرمایا ہے جو درج ہیں۔ توحید کے چار مراتب ہیں۔

توحید ایمانی یہ ہے کہ بندہ خدا ہی کو مستحق معبودیت سمجھے اور آیات واخبار نبوی کے اشارات کے مطابق زبان اور قلب سے اس کا اقرار اور یقین کرے۔

توحید علمی اس کا تعلق باطن علم سے ہے جس کو اصطلاح میں علم الیقین کہتے ہیں۔ تصوف کے راستہ میں بندہ ابتداءً اس کا یقین کرتا ہے کہ موجود حقیقی اور موثر مطلق سوا خدا کے اور کوئی نہیں دنیا کی تمام چیزوں کو خدا کے صفات کے سامنے ہیچ سمجھتا ہے۔ اور تمام حقیقتوں کو خدا ہی کے نور سے موجود اور منور جانتا ہے۔

توحید حالی توحید حالی یہ ہے کہ توحید ذات موحد پر اس طرح غالب آجائے کہ تمام تعینات اور وجود نورِ توحید کے سامنے چھپ جائیں "جاء الحق وزھق الباطل" اسی حقیقت کے جانب اشارہ ہے۔

توحید الٰہی توحید الٰہی یہ ہے کہ ذات خداوندی کے متعلق یہ یقین رکھے کہ وہ ہمیشہ سے اسی حالت میں ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

ان کے علاوہ اور بھی مختلف توحیدیں ہیں جو صوفی پر راہ تصوف میں گامزن ہونے کی صورت میں طاری ہوتی ہیں۔ کبھی افعال خداوندی کے سوا دوسرے افعال اس کے نظر سے فنا ہو جاتے ہیں تو وہ اپنے کو توحید افعالی کے مرتبہ پر پاتا ہے۔ یا تمام صفاتِ عالم یک قلم اس کے نزدیک محو ہو جاتے ہیں تو وہ اپنے کو توحید صفاتی سے متصف پاتا ہے غرضکہ اس مسئلہ کشفی میں باعتبار اختلافاتِ کشف کے مختلف توحیدیں رونما ہوتی ہیں۔ مسئلہ توحید کے علاوہ دوسرے اعتقادات میں صوفیاء عام متکلمین اور فقہاء سے قریب قریب بالکل متحد ہیں۔ ہاں سلوکِ راہ الٰہی ان کے یہاں ایک مستقل فن کی صورت میں مدون ہوگیا۔

سلوک طریقت سلوک کے معنی چلنے کے ہیں اصطلاح میں ایسے ذرائع کے اختیار کرنے کو کہتے ہیں جو خدا تک پہونچنے کے لئے اختیار کئے جاتے ہیں۔ سلوک کے ہر طریقے کے لئے مجاہدات اور ریاضت ضروری ہیں۔

مجاھدہ کے معنی نفس کو مشقت میں مبتلا کرنا تاکہ قوائے بہیمیہ میں ضعف پیدا ہو اور ملکات روحانی کا ظہور ہو۔ قرآن پاک میں یہ لفظ مختلف طریقوں پر استعمال ہوا ہے۔

وجاھدوا فی اللہ حق جھادہ۔ (خدا کے بارے میں پوری کوشش کرو) اور ارشاد ہوتا ہے کہ "جو لوگ مجھ میں کوشش کریں گے ہم ان کو راستہ بتادیں گے۔" ان دونوں آیتوں سے صوفیہ کے مجاہدات پر روشنی پڑتی ہے۔ شیخ اکبر سلوک کی تشریح بالفاظ ذیل فرماتے ہیں۔ سالک کو راہ طریقت میں چار ابتدائی درجوں سے گذرنا پڑتا ہے۔

۱۔ یہ وہ درجہ ہے جس میں ایسے صفات انسانی سالک میں پائے جاتے ہیں جو عمل کی ابتدا کرنے کے لئے ضروری ہیں۔ ان صفات میں سب سے پہلے قلب میں خطرۂ عمل پیدا ہوتا ہے۔ پھر ارادہ ہوتا ہے۔ اس کے بعد اس ارادے میں قوت ہوتی ہے پھر ہمت پیدا ہوتی ہے یہاں تک کہ وہ عمل کرنے کو تیار ہوجاتا ہے۔

۲۔ اس مرتبہ میں آنے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ اس کے قلب میں کسی چیز کی جانب رغبت ہو یا اس کا خوف ہو، یا کسی کی تعظیم کا خیال ذہن میں پیدا ہو۔ یہ دونوں مرتبے ایک دوسرے سے بالکل وابستہ ہیں۔ (۳) جب یہ دونوں حالتیں طاری ہوجاتی ہیں، تو عملی دنیا میں انسان قدم رکھتا ہے جس میں وہ ہر بُرے اخلاق کا علاج کرکے اسے ترک کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور اپنے اخلاق سے اسے متصف کرتا ہے۔ (شیخ نے پھر اخلاقیات پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے)

۴۔ ان تینوں مرتبے کے بعد اب عالم مشاہدات میں سالک قدم رکھتا ہے اور حقائق و معارف اس پر القا ہونا شروع ہوتے ہیں۔ (ان حقائق کی شیخ نے بہت سی قسمیں بیان فرمائی ہیں) اس کے بعد مقامات کی تشریح کرتے ہیں کہ جو ہم نے مراتب بیان کئے انہیں کو مقامات اور حالات کہتے ہیں، لیکن حالات برابر بدلتے رہتے ہیں اور مقامات کو قیام اور سکون رہتا ہے (فتوحات جلد اول ص)

سلوک کے متعلق شیخ کی تشریح بہت واضح ہے۔ سالکین راہ الٰہی چونکہ مختلف طبیعتوں کے ہوتے ہیں، اس لئے ان کے اعتبار سے سینکڑوں راستے وصال الٰہی کے خدا نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کردیئے۔ ارباب تصوف نے ان طریقوں کو بہت تفصیل سے بیان فرمایا ہے اور فن سلوک پر کثرت سے تصانیف موجود ہیں۔ حضرت جدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "وصول الی اللہ کے راستے گو بے شمار ہیں مگر باوجود کثرت کے تین طریقوں میں منحصر ہیں

۱۔ ارباب معاملات جن کو نیا دکہتے ہیں ان کا کاروبار اعمال حسنہ کے ساتھ ہے۔ کثرت سے نمازیں پڑھنا، روزہ رکھنا اور دیگر خیرات وحسنات و اعمال بدنی کا برتنا۔ اس راستے کے چلنے والے

مقصد تک پہنچتے ہیں، مگر بدیر۔

۲- ارباب مجاہدہ۔ یہ لوگ ہمیشہ اخلاق ذمیمہ کو تبدیل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ریاضات و مجاہدات کے ذریعہ سے تزکیہ نفس اور تجلیہ قلب کی فکر میں رہتے ہیں۔ اس طریقے کے چلنے والے اگرچہ کم ہیں مگر پہلے طریقے کے بہ نسبت اس طریقے میں واصلین الی اللہ زیادہ ہیں۔

۳- سائرین الی اللہ۔ اس کو طریقہ شطاریہ بھی کہتے ہیں یہ طریقہ اہل محبت کا ہے ان کی روش کا دار و مدار صرف جذب اور کشش الٰہی پر ہے۔ گو یہ لوگ عبادت ظاہری اور ریاضت و مجاہدہ میں پہلے دونوں طبقہ والوں کے نسبت گھٹے ہوئے نہیں ہوتے۔ مگر ان کی نظر اپنے افعال اور اعمال پر نہیں ہوتی۔

ریاضت اور مجاہدہ ان کا بہ تحریک محبت اور شغف قلبی ہوتا ہے۔ وہ وسیلۂ وصول ذات الٰہی کو سمجھتے ہیں اور اسی کو پیش نظر رکھتے ہیں اس طریقے کے مبتدی بھی اس قدر واصلین میں سے ہیں کہ اور طریقے کے منتہی نہیں۔

خاتم المتاخرین آیۃ من آیات اللہ حضرت حاجی امداد اللہؒ نے بھی ضیاء القلوب میں الٰہی طریقوں کا تذکرہ فرمایا ہے۔ ملا جامی نے سالکین کی مختلف قسمیں تحریر فرمائیں جن سے سلوک کی وضاحت ہوتی ہے۔

۱- وہ واصلانِ حق، جو بارگاہ الٰہی کی حضوری کے بعد خدمت خلق کے لئے مخلوق کی جانب رجوع ہوتے ہیں۔

۲- وہ جو عالم استغراق میں مشاہدات صفات الٰہی سے لذت اندوز ہوتے رہتے ہیں۔ اور مخلوق سے علیحدہ رہتے ہیں وغیرہ ذالک۔ غرضکہ سلوک راہ الٰہی کے طریقوں کی کوئی انتہا نہیں

نہ حسنش آخرے دارد نہ سعدی را سخن پایاں

انہیں طریقوں کے اختلاف سے مختلف سلسلے پیدا ہو گئے جن کی تفصیل سے تمام ارباب ذوق واقف ہیں۔

مذکورۂ بالا سمع خراشی سے تصوف پر گونہ روشنی پڑتی ہے کاش کہ اتنی فرصت اور استطاعت ہوتی کہ کوئی مفصل کتاب اس موضوع پر تحریر کر سکتا۔

فیض روح القدس ار باز مدد فرماید
دیگراں ہم بکنند آنچہ مسیحا می کرد